

شمس الاسلام

ماہنامہ

* بیہرہ (پاکستان) *

* * *

بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۵ء

• *

تحت ادارہ

علامہ حسین | امیر حزب انصار بہرہ | لین روہد
مدیر مسئول | مولانا الحاج انصار احمد اکوی | سالانہ چھپ
(پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 بیا کا یہ میری مولانا الحاج آغا احمد صاحب دینی امور حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)
 میری بابت مولانا الحاج آغا احمد صاحب دینی امور حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

سالانہ چندہ
 عوام سے ۲۱/۱۰
 طلبہ سے ۲۱/۱۰

سالانہ چندہ
 معاہدین سے ۵۱/۱۰
 غیر مالک للعدم ۲۱/۱۰

منجانب حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

اغراض مقاصد { ۱) اندرونی دبیرونی جلوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام -
 ۲) اصلاح رسوم با اتباع شریعت اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم دینیہ -
 طریق کار { ۱) جریدہ شمس اسلام کا اجراء ۲) دارالعلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے ۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کیا جا رہی ہے ۴) عظیم الشان سالانہ کانفرنس ۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہزارہ سالانہ تبلیغی دورہ ۶) کتب خانہ ۷) جامع مسجد بھیرہ کی حرمت -

جریدہ کے قواعد و ضوابط

۱) سالانہ ہر گزیری ماہ کی پانچ تاریخ کو یا ہندی وقت سے شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ کو وصول ہونے چاہئیں۔ مدیر کا مضمون ہر ماہ صبحان کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ۲) امکان حزب انصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ و کفایت کم از کم چار ماہ یا ہر دو ماہ تین روپے سالانہ مقرر ہو ۳) عام سالانہ چندہ کے رعاہدین صدر طلبہ سے شروع ہوتا ہے۔ نمونہ کار پر ۴) کے کٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے ۵) سالانہ یا قاعدہ تاریخ پڑتال کے بعد بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔ بعض سائل اس میں کف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خرید کیلئے وقت مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر سالانہ بارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع ملنے کی صورت میں قرضہ دار نہ ہوگا ۵) جواب کیلئے جوابی کارڈ یا کٹ آنا چاہئے ۶) ہندوستان والے یا چندہ حاجی فضل الہی عبد الباقی صاحب جیلن کیشن کیشن کیشن کتب مسجد شریٹ بھٹی ہندوستان کو بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں ۷) بیرنگ ڈاک اور خطوط بیرنگ ہوں گے۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل بنام غلام حسین ایڈیٹر شمس اسلام بھیرہ پنجاب ہونی چاہئے۔

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہو چکی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا سالانہ بند دیکھ دیں، پی آر سال ہوگا۔ جس کے دائرہ اخراجات سے بچنے کیلئے بہتر صورت یہ ہے۔ کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہونے کا اطلاع دیں۔ خدا را دیں پی آر فرما کر ایک اسلامی ادارے کو ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں +

غلام حسین ایڈیٹر شمس اسلام

(بھیرو)	<p>۴۸۶</p> <p>شمالی</p> <p>ماہنامہ</p>
شمارہ ۱۱	<p>جلد ۲۶</p> <p>ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۵ء</p>

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	نمبر شمار
۴	ادارہ	بزم انصار	۱
۵	"	شذرات	۲
۱۲	"	رسائل و مسائل	۳
۶	محترم راجہ رشید احمد صاحب محمود میانوی	محبوب خدائے	۴
۲۱	حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کعبنوی	تفسیر آیت رضوان	۵

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر ثنائی برقی پریس سرگودھا میں
چھپکر دفتر جدیدہ شمس الاسلام جامع مسجد جھیرا سے شائع ہوا

نرم انصار و کوائف کارگردگی حزب الانصار بھیرہ

(اداشہ)

دارالعلوم عزیزیتہ : دارالعلوم عزیزیتہ میں

تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔

تعمیر کتب خانہ : کتب خانہ کے کمرہ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔

تبلیغ : مولو محمد عظیم صاحب فاضل عزیزیتہ

نے اسراہ میں پنلہ دادنخان ، پک پٹاشالی

ٹٹٹ ، پک پٹاشالی ، وغیرہ مقامات پر

تبلیغی دورہ کیا۔

ادو مولوی محمد حسین صاحب مبلغ

حزب الانصار نے علاقہ میانی گھانوالہ ،

میانی ، کلپور بالا ، کلس ، چک سیدا ، بھرتہ ،

ڈنڈوٹ وغیرہ مقامات پر پیغام حق

پہنچایا۔

شمس الاسلام : مندرجہ ذیل حضرات

نے شمس الاسلام کی سرپرستی قبول فرمائی۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء :

محترم میان محمد عالم صاحب لالہ موسیٰ

محترم مولانا حافظ خان محمد صاحب کارہ

محترم محمد اسلم خان صاحب (کلرکار)

محترم حافظ رسول بخش صاحب محمد پور دیوان

محترم مولوی جناب الدین صاحب چاؤہ ال

محترم چودھری میان خان صاحب چک پٹاشالی احمد پور

محترم راجہ عبد المجید صاحب کوڑ کوٹ

محترم عبد المجید صاحب ٹنگوال

ضروری گذارش

آج کی اشاعت میں آپ کی خدمت میں حضرت مولانا

عبد الشکور صاحب لکھنوی مدظلہ العالی کی تصنیفات میں سے

تفسیر آیت رضوان پیش کیا رہی ہے۔ قارئین کرام

سے درخواست ہے کہ خود بھی پڑھیں اور اپنے احباب

کو بھی پڑھا کر عند اللہ مابود ہوں۔

اس کتاب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی دفتر سے

طلب فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیں :

تفسیر آیت مباہلہ : قیمت ۴۰

تفسیر آیت امامت : ۴۰

تفسیر آیت اولی الامر منکم : ۴۰

تفسیر آیت معیت : ۴۰

تفسیر آیت میراث ارض : ۴۰

ابوالائمہ کی تعلیم : ۴۰

نشانات

(اداسی)

ملک اور کسی قوم میں آئے۔ وہ اسی بنیاد پر مبنی اور اس سلسلہ کی ضروری ہدایتیں اور تفصیلی احکام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔ اور اسی اساس پر انھوں نے انسانی زندگی اور اخلاق و اعمال کا ایک پورا نقشہ پیش فرمایا۔ جن لوگوں نے ان ہدایات حق کی بات مانی اور انکی پروردی قبول کی، ان کی تعلیم و تربیت انھوں نے ان ہی اصول اور ان ہی ہدایات کے مطابق کی۔ اور انھیں وہ ترقیاتی حاصل ہوئیں، اور وہ کمالات نصیب ہوئے کہ فرشتوں نے ان پر رشک کیا۔ اور اللہ کے پیارے اور ولی ہو گئے اور جن لوگوں نے پیغمبروں کے لائے ہوئے ان اصولوں کو اور زندگی کے بارے میں ان کی ہدایت کو نہیں مانا، اور نہیں اپنایا، اور خدا کی ہدایت اور مرنے کے بعد کی جزاء و سزا کی فکر اور روحانیت کی تکمیل و ترقی سے بے پرواہ ہو کر جنہوں نے اپنی اغراض و خواہشات اور ہوس و ہوس ہی کو زندگی کا غنما اور نصب العین بنالیا۔ ان کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ وہ انسان نما درندے یا شکل بنی آدم میں شیطان یا کم از کم ایک ترقی یافتہ حیوان بن گئے۔

یہ انسان کی بد نصیبی ہے۔ کہ اس وقت دنیا ایسے ہی انسان نما حیوانوں اور آدم صودت شیطانوں سے بھری ہوئی ہے۔ خدا اور مذہب اور آخرت کا انکار کرنے والے تو اگرچہ اب بھی کم ہیں۔ لیکن زندگی کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے

روحانیت کو مادیت پر اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں اور قوموں میں ہزاروں رسول اور پیغمبر اسی واسطے بھیجے کہ وہ انسان کو اس دنیا میں زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ بتلائیں۔ اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کو نیک اور صالح بنا کر فرشتوں سے بھی آگے بڑھائیں۔ انسانی زندگی کی درستگی کے لئے ان حضرات انبیاء کرام علیہم نے جو بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی ہدایت و ہمنوائی سے لائے ہیں ان میں سے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھے۔ اور کبھی بھی اس سے غافل نہ ہو کہ اسکی دو جہتیں ہیں۔ یعنی خود اس کی زندگی میں دو پہلو اور دو رخ ہیں۔ ایک مادیت کا اور ایک روحانیت کا۔ اور ان دونوں کے تقاضے باہم مختلف ہیں۔ ہماری مادیت کی بعض خواہشیں وہ ہیں جو روحانیت کے لئے نہ رہیں۔ اور روحانیت کے بعض تقاضے ہیں جو مادی خواہشوں کے ہر اسر خلاف ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانی زندگی کا ایک بنیادی اصول یہ قرار دیا ہے کہ مادیت کو اور مادی خواہشات کو ہماری روحانیت پر غالب آئے اور اس کو دبائے کا موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ روحانیت کو غالب رکھ کر طبیعت کے مادی تقاضوں کو اس کا ماتحت و تابع بنا دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

اصول اور ان کی ہدایات و تعلیمات سے بے پروا ہو کر اور خدا کے احکام اور آخرت کی جزا و سزا اور روحانیت کے تقاضوں سے بے فکر ہو کر خداوند مذہب کے منکروں کی سی زندگی گزارنے والوں سے ہماری یہ دنیا بھری ہوئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی غذا واد قابلیت سے صرف حیوانیت میں اور زندگی میں ترقی کر سکتے ہیں۔ اور روحانی کمالات سے روز بہ روز خالی اور دیوالیہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس وقت انسانی دنیا جن معییتوں میں مبتلا ہے۔ اور تباہی و بربادی کے جو سخت خطرے اس وقت ہماری دنیا پر منڈلا رہے ہیں۔ جن کا خیال کر کے تمام یورپ اور ایشیا دہلے سے جا رہے ہیں۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری اس دنیا نے انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا انسانی اور روحانی طریقہ زندگی چھوڑ کر اور خدا اور آخرت اور روح کے تقاضوں کو بالکل پس پشت ڈال کر شیطان کا بتلایا اور سکھایا ہوا حیوانی اور فانی مادی طریقہ زندگی اختیار کر لیا ہے۔ کم از کم اجتماعی اور قومی معاملات میں تو ہم خدا اور آخرت اور روحانیت کو بالکل بھلا چکے ہیں۔ اور غیر یورپ والوں سے اگر یہ مادہ پرستانہ طرز زندگی اختیار کیا تھا۔ ان کی کورانہ تقلید میں مسلمان ممالک بھی اسی راستہ پر چل پڑے ہیں۔ حالانکہ مسلمان ہی اس دور میں حضرات انبیاء کرام کی تعلیمات کے حامل کھاتے ہیں۔ اور خصوصاً سردارانِ انبیاء حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا ربط و تعلق ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو امتی کہتے ہیں۔

ان تمام مسلمان حکومتوں میں رہنے بننے والے

عام مسلمان بھی اس خفلیت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور اپنے اصلی موقف اور ذمہ داری کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور وہاں کے ارباب اقتدار و اختیار بھی یورپ و امریکہ کی اقتدار میں انہی راستوں پر دوڑ رہے ہیں۔ جو سراسر مادیت اور حیوانی زندگی کی راہیں ہیں۔

موجودہ دور میں تمام حکومتوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ایک حکومت کی ذمہ داری اور اس کے

فرائض بس اس قدر ہیں کہ ملک میں امن و امان کا قیام ہو۔ ملک کے باشندے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کا ارتکاب نہ کریں۔ اور جو وعدہ

کے واقعات کا ادا کیا جائے۔ اور یہ کہ قیام امن کی ان کوششوں اور فصل خدمات کے علاوہ رعایا کی جسمانی اور دماغی تربیت و پرہیزگاری

حکومت کو خاص طور سے حصہ لینا چاہئے۔ لہذا افراد قوم کی جسمانی صحت کے لئے مستقل ایک وزارت صحت ہو۔ اور اس کا مستقل عملہ اور

نظام اور طریق کار۔ اور نو نالان قوم کی دماغی تعلیم و تربیت کے لئے وزارت تعلیم کا ایک مستقل قلمدان وزارت ہو۔ اور اس کے ماتحت

ایک خاص قسم کے نظام تعلیم کے مطابق ملک میں سکول کالج قائم کئے جائیں۔ جن میں کچھ پڑھ کر قوم کے نوجوان صرف اس قابل ہو جائیں کہ دنیا

کا ربار اور مادیت کو اور بھی ترقی دینے والے مشغول میں خوب اچھی طرح مصروف ہو سکیں۔ الغرض :

یہ اور اسی قسم کے چند اور فرائض انتہائی ترقی یافتہ نظریہ "فرائض حکومت کے سلسلہ میں ضروری سمجھے گئے ہیں اور بس۔"

لیکن ظاہر ہے کہ آدمی دماغ کے ساتھ دل بھی اور جسم کے ساتھ روح بھی رکھتا ہے۔ اور بلاشبہ انسانیت کے ان اہم عناصر صحت و آرتھ کی طرف بھی حکومتوں کو توجہ کرنا چاہئے۔ لیکن آج تک قیافتہ حکومتوں میں بھی یہ سوال اٹھایا نہیں جاتا۔ بلکہ زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ جس حکومت میں ان اہم فرائض سے زیادہ غفلت برتی جاتی ہے اور روحانیت کے تقاضوں، اور دل کے سنوارنے والی تدبیروں کو بھلایا جاتا ہے، وہ حکومت زیادہ ترقی یافتہ اور محذب و متمدن شمار ہوتی ہے۔ اور ان "ترقی یافتہ اور متمدن" حکومتوں نے بس یہ فیصلہ کر دیا ہے، کہ مذہب اور دین کی بات پر انسان کی شخصی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ حکومتوں کو ان میں دخل نہ دینا چاہئے۔ لیکن صحیح بات تو یہ ہے، کہ دماغ کے ساتھ "دل" یا "قلب" بھی وجود انسان کا ایسا قیمتی چوہر ہے۔ جو انسانی اخلاق و کردار کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ اب جب تک قلب کو سنوارا نہ جائے اور اس کی اصلاح و تزکیہ کا سامان نہ کیا جائے۔ اور ملک و وسوسہ اور تذبذب و بے یقینی کی بجائے یقین و اذعان اور ثبات و استقامت کی خشکی دلوں میں پیدا نہ کی جائے۔ زندگی کی کوئی کل سیدھی نہیں ہو سکتی۔ نہ اخلاقی نظام درست ہو سکتا ہے، اور نہ عمل و کردار کے استحکام کی توقع ہو سکتی ہے۔ نہ معاشی ناہمواریوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ طبقاتی کشمکش ختم ہو سکتی ہے۔ الغرض اس دنیا میں بے چینی اور بے اطمینانی کی زندگی ہے۔ اور

امن و سکون نصیب نہ ہو گا۔ اس لئے اگر کسی حکومت کا نظریہ بنیادی طور سے غلط ہو جائے۔ کہ کسی ذریعہ سے قوم کو امن و اطمینان کی دولت سے محروم کر دیا جائے تو اسے لازماً فرائض حکومت کی فرست میں سب سے پہلے یہ داخل کرنا پڑے گا کہ نظریہ کے سنوارنے اور روح کو بھلی کرنے کے لئے کوئی کامیاب کوشش کر دی جائے۔

وہ نے زمین کی دو سری حکومتیں بھی کچھ کرتی ہیں یا کرنا چاہتی ہیں۔ فی الحال میں اس سے سرکار نہیں۔ ہم تو صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ مسلمان قوم کی "اسلامی حکومتیں" جو دنیا کے مختلف حصوں میں آج بھی موجود ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں کیا کر رہی ہیں۔ اور جن کے عقیدہ و ایمان میں یہ داخل ہے، کہ مسلمان کا فریضہ ہی یہ ہے، کہ قلب کی اصلاح و تزکیہ کرے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سب نے آج تک غفلت اس سے برتی ہے۔ اور اس غفلت کی سزا بھی بھگت رہے ہیں۔ ان تمام اسلامی حکومتوں میں سب سے بڑی اور ہر لحاظ سے اہم "اسلامی حکومت پاکستان" کی بنیاد اور غشا و ہود ہی یہ نظریہ تھا۔ کہ ایک ایسی حکومت قائم کر دی جائے، جہاں روحانیت کے تقاضوں کو مادی تقاضوں پر غالب رکھا جائے۔ مگر اس اسلامی تجربہ گاہ میں اب تک یہ تجربہ نہیں کیا گیا۔ اور قرار داد مقاصد کی صورت میں "روشنی کا جو بیانا" نصب کیا گیا تھا۔ اس کی روشنی ابھی تک چکی نہیں۔

سابقہ دستور ساز اسمبلی کی تحلیل کے بعد نئی اسمبلی کی ترکیب ہو چکی ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے فرائض کو

پہچان لوں۔ اور ایک خالص اسلامی دستور کی ترتیب دینے کے بعد از جلد عملی طور اس کی تنفیذ و اجرا کا کام شروع کریں۔ اور اس سلسلہ میں قلوب کی اصلاح و تزکیہ کے لئے تعلیم و تربیت کے مفید اور نتیجہ خیز ذرائع و وسائل استعمال کریں۔ تاکہ پاکستان حقیقتہً اقوام عالم کے سامنے ایک مثالی حکومت کے طور پر پیش ہو سکے۔ اور مادیت کے اندھیروں میں بگھری ہوئی اس دنیا میں یہ مملکت روشنی کا ایک منار ثابت ہو۔

سیل عذاب

ستمبر ۱۹۵۵ء کے سیلاب عظیم کے بعد اس دفعہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں پھر ۵ سال کے بعد مغربی پاکستان کے اضلاع میں جو لاہور ڈویژن اور ملتان ڈویژن سے تعلق رکھتے ہیں، خصوصاً ایک بہت بڑا سیلاب آیا۔ قارئین کرام کو ریڈیو، اخبارات اور دیگر ذرائع اخبار رسانی سے اس سیلاب کے نقصات کی کچھ تفصیلات کا علم ہو چکا ہو گا۔ لاہور شہر میں بہت بڑا نقصان ہوا۔ اور اضلاع میں طویل و عریض رقبہ زمین میں کھڑی فصلیں بالکل تباہ و برباد ہو گئیں۔ لاکھوں لوگ بے خانمان ہو گئے۔ سینکڑوں دیہات کی آبادیاں پیوند زمین ہو گئیں۔

اور بے جانی اور مالی تباہی ہوئی۔ سینکڑوں میلوں تک پانی ہی پانی پھر گیا۔ رادی کی پھری ہوئی موجوں نے بے شمار مویشیوں اور انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ الغرض ان تمام تفصیلی حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس میں اب کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ سیلاب نہیں تھا۔ بلکہ سیل عذاب ہی تھا۔ قرعہ خداوندی نے

پانی کی شکل میں ظہور کر کے انسانوں کو یہ نمونہ بنا دیا، کہ وہ مالک الملک اور قادر مطلق جب چاہے تمہاری اس دنیا کے چلتے ہوئے نظام کو تہ و بالا کر سکتا ہو۔ اور اس کے عذاب کے سامنے پھر نہ تمہارے گناہ ہوئے بند ٹھہر سکتے ہیں، نہ تمہاری انجیری اور مہارت، سائنس کچھ کام دے سکتی ہے اور نہ بلند و بالا مکان بچاؤ کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ وہ جب چاہے، تو تمہاری سگاڑیوں کو روک دیتا ہے، اور نوہے کی دزدنی پٹریاں خس و خاشاک کی طرح سطح آب پر تیرتی نظر آئیں گی۔ پلوں کو توڑ دیتا ہے۔ اور پکی سڑکیں زیر و زبر کر کے گڑھے بنا دیتا ہے۔

اس قسم کے حوادث درحقیقت تنبیہ کے لئے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ انسان جب سرکشی اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے میں حدود سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور چند روز تک حکمت خداوندی کی بنا پر جلتی مل جانے سے اس کا دماغ جب پھرنے لگتا ہے اور اسے کچھ اپنی بڑائی اور طاقت و قوت اور مہارت و کمال کا زعم باطل ہونے لگتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں کھولنے اور اسے اپنی بے انتہا قدرت و طاقت کا ایک معمولی نمونہ دکھانے اور انسان کی عاجزی و لاچارگی کو علی رُوس الاشهاد نمایاں کرنے کے لئے محض تنبیہ کے واسطے اس قسم کے حوادث و واقعات وجود میں لے آتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر خوش قسمت وہ ہوتے ہیں، جو متنبہ ہو کر اپنے رویہ پر نظر ثانی کرتے ہیں۔ اور سرکشی اور نافرمانی کی راہ چھوڑ کر اطاعت و وفا کی کیشی کے راستہ پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور پختہ

وہ ہوتے ہیں۔ جو اسی طرح غی و طغیان میں سرگرم و
منہک اور راہ راست سے دور ہوتے ہیں۔ امدان و امان
کا کوئی دھکا ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی نہیں
اتارتا۔

اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہماری
زندگی عام طور پر بے راہ روی کی زندگی ہے۔ ہمارے
نظریات و خیالات اور عقائد و افکار اسلام کے بتائے
ہوئے موقف سے بہت دور ہٹ گئے ہیں۔ ہمارے
اخلاق و اعمال میں بھی اس راستہ سے بہت دوری پائی
جاتی ہے۔ جس راستہ پر چلنے کی ہدایت شریعت
الہی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

سے کی ہے۔ اجتماعی طور پر ہماری حالت آقا سے بغاوت
اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ بہت سے
ایسے اعمال بہ ہیں، جن کے ارتکاب سے اس حاکم حقیقی
نے اپنے پیچھے ہوئے رسول کے ذریعہ نہایت شدید
الفاظ میں منع فرمایا ہے۔ لیکن وہ کام آج ہماری
آبادیوں میں ڈنگے کی چوٹ پوری ڈھٹائی کے ساتھ
کئے جاتے ہیں۔ کرے لے پوری بے باکی کے ساتھ
وہ کر رہے ہیں۔ اور دوسرے دیکھ سکر اسے برداشت
کر رہے ہیں۔ ان کاموں کو روکنے کے لئے نہ کسی قوت
والے کا ہاتھ اٹھتا ہے، نہ کسی کی زبان چلتی ہے اور
نہ عام طور سے دلوں میں نفرت و حقارت کے جذبات
ہوتے ہیں۔ ان حالات میں جبکہ پوری قوم نے

اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے
ساتھ یہ رویہ برتنا شروع کیا ہو، اگر اس قسم کی تنبیہا
بار بار اور متواتر ہوتی رہتی ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔
ہاں یہ بات ضرور قابل تعجب ہے۔ کہ ان ملک و ممالک

کے باوجود ہماری غفلت بدستور باقی ہے۔ اور کسی
طوفان سے بھی ہمارے دلوں کی دنیا نہیں بدلتی۔
کچھ یکے مکان تو پیوند زمین ہو کر ختم ہو جاتے
ہیں، لیکن قلوب کی سرزمین پر ہم نے غلط کاریوں
اور غلط اندیشیوں کی جو ایک نئی دنیا بسا دی ہے
وہ تہ و بالا اور فنا نہیں ہوتی۔ دریای طوفانی
موجوں اور لہروں سے سینکڑوں میل تک کٹری
فصلیں تو زیر آب ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن
ان لہروں سے باطل افکار و خیالات کی آگے ہوئی
فصلیں ہمارے سینوں کے کھیتوں میں سے
دریا برد نہیں ہوتیں۔

موجودہ سیل عذاب بھی اس ملک کے تمام
باشکندوں کے لئے قدرت کی طرف سے انہی
بے راہ روی پر ایک خاص تنبیہ ہے۔ قدرت
خداوندی کا یہ نمونہ صرف ان لوگوں کی عبرت
پذیری کے لئے نہیں جو سیلاب کی موجوں میں
گھر گئے ہیں۔ یا جن کو جان و مال کا نقصان پہنچا ہے۔
بلکہ ان کی یہ حالت ان کے ساتھ دوسرے تمام اہل
ملک کے لئے سامان عبرت و موعظت ہے،
السعيد من وعظ بخير، نیک نعت وہ ہوتا
ہے جو دوسرے کی حالت کو دیکھ کر خود اپنے لئے
نصیحت حاصل کرے۔

سیلاب گذر جانے کے بعد ان سیلاب زدہ
علاقوں میں امداد و اعانت کی شدید ضرورت ہے۔
اموال و املاک کا جو عظیم نقصان ہوا ہے اسکی
تلافی تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو لوگ تباہ حال ہو کر
بے گھر ہو گئے ہیں، ان کو سہارا دینے اور جو مسئلہ

کا ہر کام محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں
ابو و ثواب کے حصول کے لئے کیا کرتا ہے۔ اسکی
ساری مسابقت الی الخیرات مغفرت خداوندی اور
جنت کی دائمی نعمتوں سے متمتع ہونے کے لئے
ہوتی ہے۔ اس دنیا نے فانی میں شہرت و ناموری
ہو یا نہ ہو۔ کوئی اسے اچھا سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہاں
اسے کوئی بدلہ ملے یا نہ ملے۔ الغرض دنیوی عزت و
جاہ اور مال و متاع میں سے کسی چیز کی وہ امید
نہیں رکھتا۔ اور نہ ان کو پیش نظر رکھ کر نیکی کا وہ کام
کرتا ہے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں سیلاب زدہ
لوگوں کی امداد و اعانت اور جانی اور مالی قربانی یقیناً
نیکی کا کام اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے
کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے صرف اللہ تعالیٰ
کی رضا جوئی کو سامنے رکھ کر مخلصانہ نیتوں کے
ساتھ یہ نیکی کرنی چاہئے۔ اور ذاتی یا جاہتی شہرت
و ناموری یا کسی سے حراج تحسین حاصل کرنے کی
خواہش ہرگز قریب بھی نہ آنے دینا چاہئے۔ جب
اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو پھر یہ ساری چیزیں
خود بخود قابو میں آجائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
صرفہ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔

کافی دنوں کی بحث
وحدت مغربی پاکستان
و تمحیص، مخالف و

موافق دلائل و تقابیر کے بعد آخر کار مغربی پاکستان
کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو ایک وحدت میں
ضم کرنے کا پل پاس ہوا جو کہ نر جنرل نے اس کی
منظوری دی۔ اور ستمبر ۱۹۵۵ء کو باقاعدہ طور
سے مغربی پاکستان کا ایک صوبہ وجود میں آیا۔ اور

افرائی کی بڑی ضرورت ہے۔ سیلاب کے پانی کی
وجہ سے تعفن پھیل گیا ہے۔ جس کی وجہ سے قسم
قسم کی بیماریاں پھیل گئی ہیں۔ ان مصیبت زدہ
بیماروں کے علاج اور تیمارداری کے لئے وسیع
پیمانہ پر طبی امداد چاہئے۔ نئی فصلوں کی کاشت
کے لئے بعض لوگوں کو مویشیوں کی اور اکثر کو
تحفہ کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا ہاتھ
بٹانا ضروری ہے۔ الغرض مختلف قسم کی ضرورتیں
لاحق ہیں۔ یہ عام قومی مصیبت ایسی ہے کہ نہ صرف
حکومت اپنے وسائل و ذرائع کے ساتھ اس سے
حمہ برآ ہو سکتی ہے، اور نہ محض پبلک کی امداد
سے کوئی خاطر خواہ کام ہو سکتا ہے۔ بلکہ حکومت
اور قوم کے باہمی تعاون و اعتماد کے بعد مشترکہ
طرح سے اس کا سرانجام ہونا ممکن ہے۔ خدا کا شکر
ہے کہ سیلاب کے ان دنوں میں تمام سیاسی اور
مذہبی جماعتوں نے مل کر پورے تعاون و اشتراک
کے ساتھ یہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور حکومت
کی مشینری نے قوم کے اعتماد و تعاون کو حاصل کیا۔
اور قوم نے حکومت کے محکموں کا تعاون و اعتماد
حاصل کیا۔ اور مل جل کر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ
مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کی ہے۔ خدا کرے
کہ آئندہ بھی انہی جذبات کے مطابق یہ خالص دینی
اور ملی خدمت سرانجام ہو۔

اس سلسلہ میں کام کرنے والے افراد اور
جماعتوں کے سامنے درد دل کے ساتھ ایک بات عرض
کرنے کو بھی چاہتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم سب
بجاء اللہ تھائے مسلمان ہیں۔ اور مسلمان نیکی اور بھلائی

مسٹر گورمانی اس مہذبہ کے پہلے گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب
پہلے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اور نئے کا بیہ مرتب
کر کے نیا نظام چلا گیا۔ ہم تہ دل کے ساتھ اس
وعدت و اتفاق کا غیر مقدم کرتے اور خوشی کا
اظہار کرتے ہیں۔ اس موقع پر وزیر اعظم، مسٹر
گورمانی اور ڈاکٹر خان صاحب نے افتتاحی تقریریں
کی ہیں۔ اور قوم کے ساتھ بڑے خوش آمد
وعدے کئے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ ان محفرت کو اپنے وعدوں کے پورا کرنے
کی توفیق دے۔ جبست وحدت مغربی پاکستان
کا نظریہ سامنے آیا ہے، اس وقت سے ہماری رہا
یہ ہے۔ کہ اگر واقعہ ساسنی، نسلی اور صوبائی امتیاز
کو مناکر محض مذہبی اور اسلامی اخوت کی بنیاد
پر وحدت کا یہ اردہ کیا جا رہا ہے، تو اس سے بڑھکر
غیر وبرکت والا اور کوئی نظریہ ہو نہیں سکتا۔ ہم تو
روز اول ہی سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پاکستان کے
ہر مسئلہ کی بنیاد صرف مذہب ہی پر ہو۔ اور نسل
و وطن اور رنگ و زبان کے سائے بت توڑ دیئے
جائیں۔

ہم تو علامہ اقبال مرحوم کے اس پیغام
کو جو محبط وحی الہی سرور اردو جہان کی تعلیمات سے
متقبس و ماخوذ ہے۔ اس مملکت کے راعی اور
رعایا دونوں کے سامنے ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں۔

۵ جو کرے محکا امتیاز رنگت خون مٹ جائیگا
تو کہ فرگاہی ہو یا اعرابی والا گھر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
انگیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گذر

۵ گر نسب را جز دولت کردہ

رغبت در کار اخوت کردہ

اور علامہ مرحوم کے مقصد و منشا کو سامنے
رکھ کر اس کی ایک نصیحت کو ادنیٰ تصرف کے ساتھ
اپنے بھائیوں کو سناتے رہے ہیں کہ ۵

بتان رنگ و خون کو توڑ کر وقت میں گم ہو جا

نہ بنگالی ہے باقی نہ پنجابی نہ افغانی

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے

تو آئے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا

اور حقیقت یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول

اللہ پڑھنے والے تمام مسلمانوں کا ہر وقت بس یہی
ایک ترانہ اقبال ہونا چاہیے :-

نہ افغانیم و نہ ترک و تاریم

چمن نادیم و ازیک شاخصادیم

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است

کہ ما پروردہ یک نو ہماریم

بہر حال خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے ارباب قدر

و اختیار نے بھی یہی دلیل دیکر اور اسی کے زور سے

بل منظور کرایا۔ اور وحدت قائم کی۔ اب خدا کے

کہ یہی نظریہ عملاً بھی کار فرما ہے۔ اور پٹمان، پنجابی

سندھی، بلوچ کا جھگڑا بالکل اٹھ جاتے۔ اور جاہلی

عنصبتیں پیرا پیرا بھر کر اس وحدت کو پارہ پارہ نہ

کریں۔ اور یہ وحدت محض قانونی اور ٹیڈے کے

زور کی وحدت نہ ہو۔ اور تحسب ہم جمیعاً و

قلوبہم شتی کا نقشہ سامنے نہ آئے۔ بلکہ یہ

وحدت حقیقی ہو۔ اور پائدار بنیادوں پر تقسیم

قیامت قائم و دائم ہے۔ اور اپنے ثمرات و فوائد

اداسٹا :- رسائل و مسائل

سوال : میرے ایک دوست نے ایک چرواہے کو بیس روپیہ ماہوار پر اپنے ہاں ملازم رکھا۔ اور اسے کہا کہ سال بھر تک میری یہ سو بکریاں چراتے رہو گے۔ چنانچہ وہ روزانہ چراتا رہا۔ اتفاقاً پانچ چھ مہینے کے بعد بیماری کی وجہ سے ۳۵ بکریاں مر گئیں۔ اور بقیہ مہینوں میں وہ صرف ۶۵ بکریاں چراتا رہا۔ آخر میں اس نے دس اور خریدیں۔ اور اب ۷۵ بکریاں ہیں۔ سال پورا ہو گیا۔ تو چرواہے نے ۲۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے اپنی تنخواہ طلب کی۔ مگر میرے دوست نے کہا کہ آخر کے چھ ماہ کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ

لگاؤں گا۔ کیونکہ ۲۰ روپیہ تو سو بکریوں کے ہوتے ہوئے مقرر کر دئے تھے۔ وہ چرواہا کم لینے پر راضی نہیں۔ آخر وہ دونوں اپنا فیصلہ میرے پاس لے آئے ہیں۔ آپ بتائے کہ میں شریعت مطہرہ کے مطابق کیا فیصلہ کروں ؟

الجواب : ہر مندرجہ بالا صورت میں یہ چرواہا اجیر خاص ہے۔ کیونکہ وہ صرف آپ کے دوست کی بکریاں چراتے کے لئے اس کے ہاں ملازم ہو گیا ہے۔ اور کسی دوسرے کام اس دوران میں نہیں کرتا۔ الاجیر الخاص من یحل لواحد مملک

بقیہ صفحہ گذشتہ : ہر سے ساری قوم کو متبع کرتی رہو۔ آپ اس موقع پر ضمناً ایک اور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ حضرات نے دیکھ لیا کہ ہمارے ادب اب اقتدار نے جب دل سے چاہا کہ وہ مغربی پاکستان وجود میں آئے۔ تو اگرچہ بعض اہم عناصر نے شدید مخالفت بھی کی۔ لیکن اس کی کوئی پروا نہ میں کی گئی۔ بلکہ جس چیز کو اپنے خیال میں ملک و ملت کے لئے مفید سمجھا اس کو سرانجام دینے کے لئے سرگرم کار ہے۔ اس سلسلہ میں بنی بنائی وزارتیں آئرانہ طریقوں سے توڑ دی گئیں۔ اور بعض اشخاص کو قید و بند اور بعض کو عزل و نصب سے دوچار کر دیا گیا۔ مگر اپنی سکیم کو نافذ کرنے کی فکر میں سب کچھ برداشت

کر دیا گیا۔ اور بڑی تیزی کے ساتھ تمام مراحل طے ہوئے۔ اس کی خاطر متحدہ محاذ کے ساتھ مصالحت کی گئی۔ دستور کی ترتیب نافذ دین سر بھی اسے اہم مسئلہ قرار دیکر سب سے پہلے اسی کو دستور میں زیر بحث لایا گیا۔ اور گرم ہوشانہ تقاریر اور طویل بیانات کے بعد آخر کار اسے منظور ہی کر دیا گیا۔ اور جلد از جلد اسے نافذ کر کے مایا گیا۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ ہمارے ادب اب اقتدار اگر اس ملک میں پورے اسلامی نظام کو قرآن و سنت کے مطابق مخلصانہ طور سے نافذ کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ اور کوئی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے۔ صرف اخلاص و نیت کی

موقتاً بالتخصیص و لیستحق الاجر بتسلیم نفسہ
فی المدۃ وان لم یجعل لمن استوجہ شہداً
لخدمۃ او شہداً علی الختم المسمی باجرہ
مستحی - (در مختار ہامش شامی ج ۵ صفحہ ۴۲)
اور جب وہ اجیر خاص ہے تو سال بھر جب وہ آپ کے
دوست کے ہاں ملازم رہا ہے - اور بکریوں کے
چرانے کا کام کرتا رہا ہے - اور اس کام کو چھوڑ کر
آدھریں نہیں گیا ہے - تو اب خواہ اس نے سو
بکریاں چرائی ہیں خواہ ۶۵ اور خواہ اس سے بھی کم
و بیش - بر صورت اس کی تنخواہ وہی بیس روپیہ
ہا ہوا ہوگی - کہ اپنے دوست کو یہ کہہ دیجئے کہ
شرعی فیصلہ یہ ہے کہ آپ پوری اجرت دیں - جو
و جب آپ کسی کے لئے پیش کرتے ہیں وہ شرعاً
درست نہیں - در مختار میں ہے : وان هلك
فی المدۃ نصف الختم او اکثر من نصفه
فله الاجرۃ کا ملزما دام یرعی منها شیئاً
لما مران للحقوق علیہ تسلیم نفسہ جوہر
وظاھر التعلیل بقاء الاجرۃ لو هلك کلها
وبہ صرح فی العادیتہ - علامہ شامی نے
لکھا ہے : قولہ وبہ صرح فی العادیتہ
وهو الموافق لتصریح المتون بانہ لیستحق
الا بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یجعل -
(شامی ج ۵ صفحہ ۴۲ و صفحہ ۴۳)

سوال : ہر چار ماہی سفر پر روانہ ہوئے -
ہر ایک کے پاس کچھ ذاتی سامان سفر تھا - بسترہ
پکڑے وغیرہ - ان میں سے ایک ساتھی اتفاقاً
بیمار ہوا - اذ وہ تین روز بیمار رہ کر فوت ہو گیا -

اب وہاں سے اپنے وطن تک پہنچانے اور سامان
تجھیز و تکفین کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی - اس کی
جیب میں اس وقت صرف چھ روپیہ تھے - لہذا
ساتھیوں نے مجبور ہو کر اس کا کچھ سامان فروخت
کر دیا - اور اس کے کفن وغیرہ کا انتظام کر کے اور
لا رہی کر ایہ کر کے اسے گھر لائے - اب کچھ لوگوں
نے ان ساتھیوں کو یہ کہنا شروع کر دیا ہے - کہ تم
نے اس مدت فی شخص کا سامان جو بیچا ہے - یہ جائز
نہیں تھا - جب اس نے نہ وصیت کی تھی - نہ تم
اس کے وارث تھے - نہ تم کو وکیل بنایا - تو تم نے
آخر کس حیثیت سے یہ کام کیا ہے ؟ یہ کام کہ
تم گنہگار ہو گئے ہو - بتاتے کہ آیا شرعاً ان کو
فروخت کرنے کا نہ تھا - جبکہ اس میت کے
سنبھالنے کی اور کوئی صورت نہ تھی ؟

الجواب : ہر صورت مذکورہ بالا میں ان ساتھیوں
نے میت کو سنبھالنے اور ٹھکانے لگانے کے لئے
جو اس کا سامان حسب ضرورت فروخت کیا ہے
یہ جائز ہے - اور جو لوگ اعتراض کرتے ہیں -
ان کا یہ اعتراض درست نہیں - یہ تو بجا ہے کہ
کسی کے مال میں مالک کے اذن کے بغیر تصرف
کرنا جائز نہیں - مگر حضرات فقہاء کرام نے اس کلیہ
سے بعض صورتوں کو ضرورت کی بنا پر مستثنیٰ
کر دیا ہے - در مختار میں : لا یجوز التصرف
فی مال غیریہ بلا اذنیہ ولا ولا یتہ الا فی
مسائل مذکورہ فی الاشتباہ - اور پھر
علامہ شامی نے وہ چند صورتیں تفصیل کے ساتھ
میان کی ہیں - چنانچہ انہی صورتوں میں سے ایک یہ بھی

ہے۔ در اذا مات بعض الہم فقة فی السفر
فبا عواقر اشدہ وعدتہ وجہنہ ولا یثمنہ
وسرہ والبقیۃ الی الوراثۃ او اخی علیہ
فانفقوا علیہ من مالہ لم یضمنوا استحقاقاً
وحکی عن محل انہ مات بعض تلامذتہ
فباع محمد کتبہ لتجہیزہ فقیل انہ لم یوص
فتلا قولہ تعالیٰ واللہ یعلم المفسد من المصلح
فما کان علی قیاس ہذا الا یضمن دیانۃ اما
فی الحکم فیضمن (شامی ج ۵ ص ۱۳) یعنی علامہ
شامیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ایک ساتھی سفر میں مر جائے
اور اس کے دوسرے رفیق سفر اس کا بسترہ اور سامان
فروخت کر دیں۔ اور اس کے ثمن سے میت کی تجہیز
کا انتظام کریں۔ اور جو کچھ باقی بچے وہ وارثوں کو
واپس کرے تو یہ جائز ہے۔ اور استحسان یہ ہے۔
کہ ان پر ضمان بھی نہیں آتا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے امام
محمدؒ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ان کے ایک شاگرد
سفر کی حالت میں وفات پا گئے۔ امام محمدؒ نے اسکی
کتابیں فروخت کر دیں۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کا
انتظام کر دیا۔ کسی نے بطور اعتراض کہا کہ اس نے
تو وصیت نہیں کی تھی۔ تو حضرت امام محمدؒ نے قرآن
مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی، واللہ یعلم المفسد
من المصلح (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ فساد کرنے
والا بد نیت کون ہے، اور شیک کام کرنے والا نیک
نیت کون ہے) امام محمدؒ کے اس واقعہ کی بنا پر اس
طرح کے جتنے بھی واقعات ہوں، ان سب میں دیانۃ
حکم یہ ہے کہ کوئی ضمان نہیں آتا۔ اور ایسا کرنا جائز
ہے۔ ہاں قضاؤں اور حکماً ہو تو دوسری بات ہے۔

اور پیش نظر صورت میں تو دیانۃ سوال ہے۔
لہذا جواب یہی درست ہے، کہ انہوں نے کیا ہے،
جائز کیا ہے۔

سوال: میری ملکیت میں قریباً دس بیگیے
زمین ہے۔ ہر سال میں کسی کاشتکار کو حصہ پر دیتا
ہوں۔ اس دفعہ جب زمین خالی پڑی ہوئی تھی،
ابھی کسی کاشتکار کے ساتھ معاملہ طے نہیں کیا تھا۔
کہ مجھے مجبوراً سفر پر جانا پڑا۔ میری موجودگی میں
ہمارے گاؤں کے ایک شخص نے جو سینہ زور
اور تند مزاج ہے۔ از خود میری زمین میں ہل چلا کر
زمین تیار کی۔ اور غلہ کاشت کر دیا۔ مجھے خط کے
ذریعہ کسی نے اطلاع بھی دی، میں نے خط لکھ کر اسے
روکا بھی۔ لیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور گندم
کی کاشت کر دی۔ میں جب واپس آیا تو اس سے
کہا کہ یہ بھائی کیوں کیا؟ اس نے جواب میں کہا کہ
آخر آپ خود تو کاشت کرتے نہیں۔ کسی اور کو دیتے
اور اپنا حصہ لیتے۔ تو میں تیرا مزاج سہی۔ زمین میں
میں نے محنت کی ہے، اور کاشت کر دی ہے۔

آپ ہمیشہ تناہی حصہ لیا کرتے ہیں، وہ میں ہوں گا
اور آپ حصہ ختم کر دیں۔ مجھے چونکہ اس کی اس
حرکت پر غصہ ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ اسکو
بے دخل کروں۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ کروں کہ
اس کو تنہا ہی قیمت دیدوں اور بس۔ میں اس سلسلہ
میں قانونی چارہ جوئی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے
پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ شرعی مسئلہ معلوم کروں۔
کہ شرعاً میرا حق کیا ہے، اور اس کا حق کیا ہے؟
میں اسی کے مطابق آئندہ کارروائی کیا کروں۔

الجواب : ہر آپ نے واقعہ کی جو صورت لکھی ہے اس کے مطابق شرعی حکم تو یہ ہے کہ اگرچہ اس نے بلاذن تصرف کیا ہے جو کہ جرم اور شرعاً موجب گناہ ہے۔ لیکن اب وہ مزارع قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خود عرف کے مطابق حصہ دینے اور اپنے مزارع کھلانے پر راضی ہے۔ اور آپ خود تو کاشت نہیں کرتے۔ یہ زمین آپ کسی کو انہی شرائط کے ماتحت یوں بھی دینے والے تھے۔ لہذا آپ اس کی اس حرکت پر غصہ کے تقاضا کو ملتوی کر دیجئے۔ یوں ڈانٹ ڈپٹ کر کے اور ملامت کر کے اسے تنبیہ کر دیجئے لیکن زمین ایک سال تک بطور مزارع اس کے پاس رہنے دیجئے۔ اس بارے میں حضرات فقہاء کرام کی مندرجہ ذیل عبارات پیش نظر رکھئے۔ درمختار میں ہے : ولوزر عہا دای اسراض غیرہ بغیر اذنہ، يعتبر العرف فان اقتسموا الغلة انصافاً واسیاً باعتبار الاعتبار والا فالخارج للمزارع وعلیہ اجر مثل الاسراض الا۔ اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے : قال فی الذخیرۃ قالوا ان کانت الاسراض معدّۃ للزراعت لاعتبار بان کانت الاسراض فی قریۃ اعتاد اهلها زراعت اسراض الخیر وکان صاحبها ممن لا یزراع بنفسه ویدفع اسرضۃ مزارعتہ فذلک علی المزراعتہ و لصاحب الاسراض ان یطالب المزارع بحصۃ الدھقان علی ما هو متعارف اهل القریۃ النصف او الثلج او ما اشبه ذلک وھکذا ذکر فی فتاویٰ النسفی وھو نظیر الداس المحدثۃ للاجاسۃ اذا سکنها انسان فانه یجمل علی الاجارۃ

وکن اھلہا وعلیٰ ہذا الدسکت مشاخی زمانی۔ اس پر جو کلام کیا گیا ہے، علامہ شامی نے اقوال کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔ اور پھر بزاز یہ سے نقل کیا ہے : قال القاضی وعندی انہا ان معدّۃ لھا وحصۃ العامل معلومۃ عند اهل تلاف الناحیۃ جاز استحساناً وان فقد احدھما لا یجوز وینظر الی العادۃ اذ الم یقر بانہ زراعتھا لنفسہ قبل الزراعتۃ او بعدھا او کان ممن لا یأخذھا مزارعتہ ویألف من ذلک فحینئذ تکون غصباً والخارج لہ وعلیہ نقصان الاسراض الخ (شامی جہ ص ۱۱)

پس جب عرف یہ ہے کہ اس گھاؤں میں لوگ بطور مزارعت زمینیں لیا کرتے ہیں۔ اور وہ اقرار کر رہا ہے کہ میں نے مزارع کے طور پر زمین لے کر کاشت کی ہے۔ اور زمین بھی ایسی کہ مزارعت کے لئے خالی پڑی ہوئی تھی۔ تو عرف کی بناء پر آپ مزارعت کو رہنے دیجئے۔ اور متعارف حصہ کے مطابق اس سے پیداوار میں حصہ لیجئے۔ اور اگر آپ مزارعت کو فاسد قرار دیکر اسے غاصب ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی پیداوار اسی کی ہوگی۔ وہ آپ کو زمین روکے رکھنے کا تاوان دے گا۔ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ سوال : ہر ایک شخص نے نذرمان لی کہ اگر اس مریض کو شفا ہوگئی تو میں اللہ تعالیٰ کے نام چالیس روپیہ خرچ کر کے دیگہ پکو کر فقراء و مساکین کو کھلاؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مریض کو شفا یا ب کر دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنی نذر پوری کر دے۔

لیکن اس کا خیال ہے کہ دیگ پکو کر پلاؤ کھلائے
سے فقیروں کے لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ان کو نقد
رقم دی جائے۔ یا سردی کا موسم آرہا ہے، گرم
کپڑے یا لحاف بنو اگر ان کو شے جائیں۔ تو گلیا اگر
وہ دیگ کی بجائے نقد سے یا کپڑے بنو کر شے، تو
اسکی نذر پوری ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب: ہر جب فقراء و مساکین پر خرچ
کرنے کی نیت کر کے اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔
تو نذر منعقد ہو گئی ہے۔ مگر یہ شرعاً ضروری نہیں
کہ ہم روپیہ کے خرچ سے دیگ پکو کر ہی کھلاؤ۔
بلکہ اسے اختیار ہے، چاہے پلاؤ کھلائے، چاہے
اتنی رقم کے کپڑے فقراء کو شے یا اتنی رقم نقد
ان پر تقسیم کر دے۔ مقصد بہر حال یہ ہے کہ اتنی
مالیت اللہ کے نام پر فقراء کو پہنچ جائے۔ درمختار
میں ہے۔ نذر سماں یقصد ق بعشرۃ دہم
من الخبز فتصدق بخیرۃ جازان ساوی
العشرۃ لا تصدقہ بتمنہ درمختار برہامش شامی
ج ۳ ص ۱۷۷۔ اور علامہ شامی نے اسی صفحہ پر اس
مسئلہ کی اور بھی خوب تفصیل و تشریح کی ہے۔
سوال: ہر نذر کی تین لڑکیاں ہیں۔ عائشہ، حمیدہ
سعیدہ۔ جن میں عائشہ بڑی ہے۔ عبدالرحمن کے
ساتھ عائشہ کے نکاح ہونے کی گفتگو ہوئی۔ اور
کافی دنوں اس سلسلہ میں آنے جانے کے بعد
طے ہوا کہ اتوار کی رات کو نکاح کر دیا جائے گا۔
تم کپڑے، زیورات اور برات ساتھ لے کر آ جاؤ۔
چنانچہ وقت مقررہ پر عبدالرحمن اپنے چند رشتہ
داروں اور دوست احباب کو ساتھ لے کر نذر کے

گھر آیا۔ اور کپڑے اور زیور بھی دئے۔ جو طے شدہ
فیصلہ کے مطابق عائشہ کو پہنا شے گئے۔ اور وہ
دہن بنا دی گئی۔ پھر نکاح خوان بلا یا گیا۔ اور ان حاضر
گواہوں کے سامنے نکاح خوان نے زید سے کہا۔ کہ
آپ کی لڑکی کا نکاح عبدالرحمن سے کر دیں؟ اس نے
کہا کہ ہاں، میں نے اپنی لڑکی کا نکاح عبدالرحمن سے
کر دیا۔ اس موقع پر اس نے اپنی لڑکی کا نام نہیں لیا۔
صرف اتنا کہا، "اپنی لڑکی"۔ عبدالرحمن نے کہا، میں
نے اسے قبول کر لیا۔ حاضرین مجلس میں سے چند
نوجوانوں نے عبدالرحمن سے بطور مذاق کہا بھی، کہ
بھائی، آپ سمجھ بھی، آپ کا نکاح کس سے ہوا؟
اس نے ہنس کر کہا کہ کیوں نہیں سمجھا، جس دہن کو
کپڑے اور زیور پہنا شے ہیں اسی سے ہوا۔ اور کس
سے ہونا تھا؟ زید نے یہ سنا بھی اور کچھ نہ کہا۔
زید نے عائشہ ہی کو اطلاع نکاح دیکر اجازت بقدر
سکوت حاصل کر دی تھی۔ اب کچھ لوگ شبہ کر
تے ہیں کہ جب لڑکی کا نام لیکر تعین نہیں کی گئی
تو نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے۔ زید کی تو
تین لڑکیاں ہیں۔ "اپنی لڑکی" کا اطلاق تو ہر ایک پر
ہو سکتا ہے۔ تو کیا شرعاً مندرجہ بالا صورتہ میں
جب کہ قرائن سے یہ ثابت ہے کہ سب کے ہاں
اس سے مراد صرف عائشہ تھی، نکاح ہوا یا نہیں؟
الجواب: ہر جیسا کہ سوال میں درج ہے۔ جب
قرائن قویہ اور سیاق سے سب حاضرین مجلس،
نکاح خوان اور خود عبدالرحمن یہ سمجھے کہ مراد عائشہ
ہی ہے۔ اور ان کے ہاں منکوحہ کی تعین ہو گئی
ہے، تو نکاح درست ہے۔ کسی شک و شبہ میں نہ

پڑنا چاہئے۔ کیونکہ نام لینے کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعین و تخصیص ہو جائے۔ اور کسی قسم کی جہالت باقی نہ رہے۔ اور یہاں اگرچہ نام نہیں لکھا ہے، لیکن دوسری قوی وجوہات اس قسم کی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ ہی سب کے ہاں متعین ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے: **مر لوجہات المقدّمات علی معنیہ وتمیزت عند الشہود ایضاً بصحہ العقد وہی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجہالة و ذلک حاصل بتعینہا عند العاقدین و الشہود وان لم یصرح باسمہا کما اذا کانت احداهما متزوجة ویؤید لا ما سیأتی من انها لو کانت غائبة وزوجها وکیلها فان عرفها الشہود و علموا انہ اسرا دھا کفی ذکم اسمہا و الا لاجد من ذکم الاب والجد ایضاً ولا یخفی ان قولہ زوجت بنتی ولہ بنتان اقل ابہا ما من قول الوکیل زوجت فاطمة ویأتی تمام ذلک عند قولہا وحضور شاہدین حریین وعند قولہ غلط وکیلها الخ (شامی مجدد ثانی ص ۱۸۸) سوال: مرد جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو۔ تو شریعت کی رو سے کھانا پکانا، چکی پیسنا اور گھر کے دوسرے سائے کام خود کرنا اس پر لازم ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی عورت ان کاموں سے انکار کرے اور مطالبہ کرے کہ خاوند میرے لئے کوئی خادمہ رکھے، تو کیا اس کا یہ انکار صحیح ہے یا نہیں؟**

الجواب: مرد یا نہ تو عورت کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ خود گھر کا کام کاج کر سکتی ہے۔ اور

اسے کوئی عذر نہیں تو وہ تمام کام خود کرتی ہے۔ خاوند کو مجبور نہ کرے کہ وہ ضرور خادمہ رکھے۔ درختار میں ہے: **ولا یجوز لها اخذ الاجہالہ علی ذلک دای الخبز والطحن وغیرہما**، وجوبہ بہا علیہا دیانۃ ولو شریفۃ لانہ علیہ السلام قسم الاعمال بین علی وفاطمۃ فجعل اعمال الخارج علی علی رضی اللہ عنہ والد اخل علی فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مع انها سیدۃ نساء العالمین بجر قولہ وجوبہ علیہا دیانۃ فتقتی بہم و لکنہا لا تجبر علیہ ان ابت بدائع۔

ہاں اگر عورت خدمت کر نہیں سکتی، نہ کبھی اس نے اپنے میکے میں گھر بار کا کام کاج کیا ہے۔ اور خاندانی غنا کی وجہ سے یہ کام کرنا اس کے لئے عار و شرم کی بات متصور ہوتی ہے۔ تو پھر اس پر دیانۃ بھی واجب نہیں۔ اگر خاوند کی عسرت و تنگدستی اور مجبوری کو دیکھ کر وہ خود تکلیف برداشت کرتی ہے تو بہت بہتر ہوگا۔ لیکن اگر خاوند خادمہ رکھنے پر قادر ہے تو اسے بالکل حق حاصل ہے، کہ خادمہ رکھنے کا مطالبہ کرے۔ اور خود کام کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ درختار میں ہے: **راعتت المرأة من الطحن والخبز ان كانت ممن لا تخدم او كان بها علة فعلیه ان یا تمہا بطعام مہیئاً والا بان كانت ممن تخدم نفسها وتقدّر علی ذلک لا یجب علیہ۔** اور لا یجب کی آگے تشریح یہ کی گئی ہے۔ کہ اس پر قضاء بقصور محامہ کے وجوب نہیں۔ ورنہ اس صورت میں دیانۃ وجوب ہے۔ اس کے ساتھ ہی درختار کی

مندرجہ بالا عبارت میں ولوشی یفۃ کی جو تشریح علامہ شامیؒ نے کی ہے، وہ بھی پڑھ لینی چاہئے۔
 وَلَوْ شِئِیْفَةٌ كَذَا قَالَ، فِي الْجَزْأِ اخْذًا مِنْ التَّخْلِيلِ وَهُوَ مُخَالَفٌ لِمَا قَبْلَهُ مِنْ اِنْهَا اِذَا كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَخْذُمُ فَعَلِيْهِ اَنْ يَّاتِيَهَا بِطَعَامٍ وَّالَا لَا فَلَوْ جَبَّ عَلَيْهَا دِيَانَةٌ لَمْ يَبْقَ فَمِنْ بَيْنِ الصُّوَرِ ثَلَاثُ اَلْاَنْ اِنْ يَقَالَ اَنْ الشَّرِيْفَةَ قَدْ تَكُوْنُ مِمَّنْ تَخْذُمُ نَفْسَهَا وَقَدْ لَا تَكُوْنُ وَالَّذِي يَنْظُرُهَا اَعْتَبًا حَالَهَا فِي الْغَنِيِّ وَالْفَقْرِ لَا فِي الشَّرَفِ وَرَحْمَتِهَا فَانَ الشَّرِيْفَةَ الْفَقِيْرَةَ تَخْذُمُ نَفْسَهَا وَحَالُهَا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَالُ اَهْلِ بَيْتِهِ فِي غَايَةِ مَنْ التَّقَلُّلِ مِنَ الدُّنْيَا فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ حَالُ اَهْلِ التَّوَسُّعِ تَأْمَلْ وَعِبَارَةُ صَاحِبِ الْهَدَايَةِ فِي مَخْتَصَرَاتِ النُّوَازِلِ تَوْيْدٌ لَا حَيْثُ قَالَ وَاَنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَخْذُمُ نَفْسَهَا فَعَلِيْهَا الطَّبْخُ وَالْخَبْزُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْخَو (شامی ج ۲ ص ۶۶۶)
 سوال : میں نے ایک جاتر مقدمہ میں کامیابی کی صورت میں دو سو روپیہ دس فقراء پر تقسیم کرنے کی نذر کی تھی۔ ارادہ یہ کیا تھا کہ ہر فقیر کو بیس روپیہ دوں گا۔ کامیاب ہونے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ وہ نذر پوری کر دوں۔ لیکن ہمارے خاندان میں ایک شخص مختلف حوادثِ زمانہ سے بہت مفلوک الحال ہو گیا ہے اس کو سہارا دینے اور کسی کام پر لگانے کی اشد ضرورت ہے۔ تو کیا میں ایسا کر سکتا ہوں، کہ پوری

رقم دو سو اس کو دیدوں کہ وہ کوئی معمولی تجارت شروع کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے؟
 الجواب : ہر فقیر کرام نے نذر کے بارے میں جو تحقیق کی ہے۔ اس کے مطابق آپ کے لئے جائز ہے کہ دس فقیروں کو دینے کی بجائے یہ ساری رقم اس ایک ضرورت مند کو دیدیں۔ اور یہ تو زیادہ مفید صورت ہے، کہ اس امداد سے اس کو سہارا مل جائے۔ اور اس کا فقر ختم ہو جائے۔ اور گدازا مستقل طور سے چل جائے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے : رَقْلَتُ وَكَمَا لَا يَتَعَيَّنُ الْفَقِيرُ لَا يَتَعَيَّنُ عَدَدُكَ فَفِي الْخَاتِمَةِ اَنْ زَوْجَتِ بَنَاتِي فَالْفِ دَسْهَمٌ مِنْ مَالِي صَدَقَةً لِكُلِّ مَسْكِيْنٍ دَسْهَمٌ فَزَوْجٌ وَدَفْعُ الْاَلْفِ اِلَى مَسْكِيْنٍ جَمَلَةٌ جَازٌ (شامی ج ۲ ص ۶۶۶)
 بقیہ ص ۱۸۔ زمانہ درگوری اور قتل غارتگی سرزمینِ عرب کو پاک کر کے امن امان قائم کیا۔ جنہوں نے دُشمنوں کو صحراء، قطروں کو دریا اور ویشیوں کو انسان بنایا۔ وہ اشرف المخلوقات جن کے اس جہان میں تشریف لائیں دنیا کفر و شرک کا نیکو بنی کا بول بالا ہوا۔ تمام بات درگاہِ محمدیؐ پر کھڑا رہنے والے شب زندہ دار محمدؐ۔ وہ رسولِ امام، جنہوں نے اپنی باسعادت ولادت کے وقت، معراج کے وقت اور وفات کے وقت بھی اپنی گنہ گار مگر عزیز امت کو نہ بھلایا۔ اور نہ انشاء اللہ روز نشو کو فراموش کریں گے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ امتِ مرحوم کو اپنے آقا و مولا کا کتنا خیال ہے۔ انکی سنت پر کس قدر عمل کیا جاتا ہے؟

محبوب خدا

(محترم سراجہ رشید احمد صاحب محمود میاں لوی)

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری : آنچہ خواباں ہمہ از ند تو تنہا داری

پہلے عرب کی حالت عرب میں مختلف مذہبوں اور قبیلوں کے لوگ آباد تھے۔ مگر ان میں زیادہ تربت پرست تھے۔ رہزنی، شراب خوری، بدکاری وغیرہ عادات عرب کے باشندوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں۔ عورت کو ڈھور ڈنگروں کی طرح استعمال کیا جاتا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ مردار اور حرام جانوروں کا گوشت بلا تکلف کھایا جاتا تھا۔

آپ کی ولادت با سعادت سے قبل افریقہ، یورپ، ایشیا سب ممالک کا ایک ہی حال تھا۔ آدمیت کو کفر و شرک کی خوفناک چھریوں سے ذبح کیا جا رہا تھا۔ کوئی چاند ستارے اور آگ کی پرستش کرتا تھا، تو کوئی بتوں کو پوجتا تھا۔

عبد کا رشتہ معبود حقیقی سے منقطع ہو چکا تھا۔ ان تمام یہود گویوں کو کسی مصلح عظیم کی شدید ضرورت تھی۔ آخر عبد کا رشتہ معبود وحدہ لا شریک سے جوڑنے کے لئے مصطفیٰ تشریف لائے۔ بغیر خداوندی جوش میں آئی۔ فخر کائنات کو مبعوث کیا گیا۔

وہ فخر دو عالم جنہوں نے تمام دنیا کو تباہی

جہان کو توحید کا سبق دینے والے رہنما سید الوجود، گنہ گاروں کی نجات کا سامان رسول اکرم، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، بارہ ربیع الاول کو عرب کے ایک شہر مکہ معظمہ میں تولد ہوئے۔ حضور اکرم کی تجلی نور وادی فارا میں جلوہ نشاں ہوئی۔ عاصیوں کے شفیع، مکین لامکان، وہ ساتی تسنیم و کوثر، جن کے اس دنیا آب و گل پر تشریف لانے سے کفر کا اندھیرا، خوفناک اور پر خطر نور کے اجالے میں مبتدل ہو گیا۔ جنہوں نے عرب کے جاہل اور وحشی بدوؤں کو صراط مستقیم دکھلایا۔ وہ برد الدجی کے عارضی لالہ گون والے سراج منیر، جن کے طلوع ہونے سے نور الہی کا بول بالا ہو گیا۔

مبارک ہو، آج دو شنبہ کے دن حضرت امام الانبیاء، سرور کونین، سردار دین پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اس دنیا کے تیر و تار پر قدم رنجہ فرماتے ہی آشتیہ حالی، بدکرداری، شراب خوری، ہر قسم کی غرافات کو مٹا کر عیش کے در ہول ٹیٹے۔ بھولے بھٹکے ہوؤں کو معبود حقیقی کا در دکھلایا۔ آہ! طلوع اسلام سے

دربادی کے عمیق گڑھے سے نکالا۔ اپنی پرستوت
آواز سے حق کی منادی کرنے والے محمدؐ۔ وہ سرور
کائنات جنہوں نے ہمیں مساوات کی نعمت بخشی
جن کا خود خدائے عزوجل مداح و ثنا خوان ہے۔ اگر
والشمس میں آپ کے رخ الور کا ذکر ہے تو
اللیل میں گیسوئے مبارک کی تعریف ہے۔ وہ
جن کی تعریف میں دس فضائل ذکر کرائے گئے۔
ماطعنی جن کی خوش ادائی کا شاہ ہے۔ جن کے
اخلاق کی تعریف انک لعلی خلق عظیم میں
ہے۔ "قاب قوسین" کے رازدار محمدؐ جو
باعث ظہور موجودات تھے۔ جنہوں نے اپنے
غلاموں کو خدا سے ملا دیا۔ وہ رحمۃ للعالمین جنہوں
نے کبھی کسی دشمن سے ذاتی رنجش کی بنا پر
انتقام نہیں لیا۔

آج حوریں ریاضِ خلد میں انبساط و مسرت
کے گیت گارہی ہیں۔ اس لئے کہ آج زمین پر
محبوب داور تشریف لائے۔ فخرِ موجودات
پیدا ہوئے۔ وہ عالی نسب جن کا ثانی نہ کوئی
اس وقت تھا، نہ اب ہے، نہ کبھی ہو سکتا ہے۔
بے سہاروں، غریبوں، مصیبت کے ماروں کے
سہارا محمدؐ۔ بیکوں کے ایسے دہکار، مادی عظم
بوشافع حشر، نوربادی اور غریبوں، یاسوں کے چادہ ساز
ہیں۔ وہ رحمتِ عالم، جوامت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور
امت کی راحت کو اپنی راحت سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے عرب کے
جاہل اور سنگدل ظالموں کو فطرتِ سلیم اور پاک عادات
کا مالک بنا دیا۔ جنہوں نے نفس پرستوں کو روحِ اخلاص
تعموی۔ انقطاعِ معاصی کا سبق دیا۔ ایک انگلی کے

اشائے سے چاند کو دو ٹکڑے فرمائے والے محمدؐ۔ جن کے
حکم سے سورج ٹپٹ آیا تھا۔ وہ رحمتِ عالمین جنکے معجزات فیض مانی
خلق کیلئے تھے۔ یہی وہ معجزات ہیں جو حضور کے واسطہ اور وسیلہ سے
حضور کی برکت اللہ تعالیٰ نے امت کو کرامت کی صورت میں عطا فرمایا۔ اور
تک اولیاء و کرام کا وجود باقی ہو حضور انور کے معجزات کا اظہار کر امتوں
کی مدد و تہ میں ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

وہ شافعِ حشر جنکی غلا جو کی روٹی تھی، جبکہ بسترِ استراحت کھجور کی
کھردری چٹائی تھی۔ جنکے دوش مبارک پر فقط ایک کبلی ہوتی۔ وہ
باعثِ تخلیق کون مکان جو حبیب تھے۔ جنکے اس نیا پر ظہور پذیر ہوئیے
قیصر و کسری کے ایوانِ عظمت پر بیٹے سرنگوں ہو گئے۔ بیتِ مسجد ہر
ہو گئے۔ و ختم المرسلین جنکی بعثت آفرینش موجودات و تخلیق این آں کا نشا
پورا ہوا جبکہ نبوت اور رسالت کا تمام دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیئے گئے۔

اور جن کے کوئی نبی تشریف یا غیر تشریف، بردی یا اہلِ خلق یا حقیقی معبود
نہیں ہو سکتا۔ وہ پاک ات جنہوں نے لاینبی بچھا کا اعلان کر دیا۔ وہ حبیبِ خدا
جنکی شان میں "لولاک لما خلقت الافلاک" آیا ہے۔

خدا کے نام کی عظمت اور سرمدی کیلئے محبوبہ الجلال تشریف لائے۔
وہ سیدِ لولک، جبریل بھی جن کے خادم اور دربان تھے۔

آج دنیاؤں کے لباس میں بوس، کفر کی تاریکی کا نور ہو چکی ہے۔ انکد و شر
اور بگد و منہم ہیں۔ آج وہ محبوبِ خلق پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے جن عظمت ہیں
پہنے ہوؤں کو بتوں کی محبت چھڑا کر خدا واحد کا دکھلایا۔ جو قبلہ قدسیاں
وہ رشک و سفاک جن کے سپید سپید خوبصورت دانت موتیوں کی خوبصورت لڑیاں
معلوم ہوتیں، سردارِ کائنات جنکی ولادت باسعادت سو جہان کی عظمت
ہو گئی۔ جن دہشاد و جان و ملائک کو کیا جن پر خود خدا باری تعالیٰ درود
اور سلام بھیجتا ہے۔ ہوا و اج مطہر کا ساتھ خود انکے کاموں میں ہاتھ بٹا
تھے۔ اپنے پیروں میں ست مبارک سے بوند لگاتے۔ جو تاجی گانٹھ لیتے
اور کپڑے بھی دھو لیتے تھے۔ جو کھانا پڑھنا نہ جاننے کے باوجود
دینہ العلم تھے۔ وہ منصف جنہوں نے ظلم و ستم چوری شراب

[illegible]

تفسیر آیت رضوان

سورہ انفصحا کی آیہ کریمہ لقدر رضی اللہ عن المؤمنین کی تفسیر سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور تمام اصحابِ حبیبیہ قطعی جنتی ہیں۔ دنیا ہی میں خدا نے ان سے اپنی رضا مندی کا اعلان کر کے ان کے حال و حال کی غیریت سے تمام اہل ایمان کو آگاہ کر دیا۔ اور ان کی خلافت کے منکر دوس کی راہ بند کر دی۔

امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبدالشکورؒ مناکمہنوی

مجلس مرکزیہ حزب الانصار جامع مسجد بھیرہ (پاکستان)

مکتبہ حزب انصاریہ
(پاکستان)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله حمداً كثيراً كما يحب ويرضى والصلاة والسلام على رسوله
المصطفى وعلى آله وصحبه بنجوم الهدى .

اما بعد ! بگوئے تعالیٰ تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں اب تک جس قدر رسائل ہو چکے
ہیں وہ ہدایت کے لئے بہت کافی ہیں۔ جس کا ایمان قرآن مجید پر ہے، اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ قرآن مجید
کے ایک حرف میں بھی شک کرنا کفر ہے، وہ کبھی قرآن مجید کے خلاف کسی تعلیم کو قبول نہیں کر سکتا نہ کوئی روایت
اسکو صراط مستقیم سے ہٹا سکتی ہے، نہ کسی کا قول۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں قرآن شریف کی طرف سے
چور ہے، وہ طرح طرح کے جیلے نکال کر احکام قرآنی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور ہدایت قرآنی سے ہمیشہ
محروم رہتے ہیں۔ وسیع علم الذین ظلموا ائمتی منقلب ینقلبون ۵

اس وقت آیت رضوان کی تفسیر بدیہ ناظرین کیجاتی ہے۔ یہ آیت رسالہ تفسیر آیت دعوت اعراب
میں ضمنی طور پر آچکی ہے۔ مگر اب بالا استقلال کچھ شرح و بسط سے اس کے لکھنے کا ارادہ ہے۔ واللہ
الموفق .

آیت رضوان ، سورہ فتح ، پارہ چھبیسواں ۲۶
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَعَازِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُ وَنَهَايَهُ أَنَّ يَأْخُذُوا
عَنْكُمْ وَيَتَّكُونَ آيَةَ الْيَمِينِ وَيَهْدِيَكُمْ إِلَى طَائِفَةٍ مَسْتَقِيمَةٍ وَأَخْرَجَ لَمْ تَقْدِرُوا
عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا وَلَوْ أَنَّ تِلْكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَوَلَوْ لَا ذُنُوبُهُمْ لَأَنْجَيْنَاهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِآيَةِ الْيَمِينِ وَلَا تَصِيرُ أَسْمَاءُ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۵

ترجمہ

بحقیق راضی ہو گیا اللہ ایمان والوں سے جبکہ (اے نبیؐ) وہ تجھ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ پس معلوم کیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پھر اتارا اللہ نے سکینہ ان پر اور بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم لوگوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم لوگ لے گے۔ پس اس نے جلدی دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔ اور یہ اس لئے کیا کہ ہو جاوے یہ ایک نشانی ایمان والوں کے لئے اور اللہ تم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے۔ اور کچھ اور غنیمتوں کا (بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے) جن پر تم نے (کبھی) قابو نہیں پایا۔ اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر کافر تم سے رہینگے تو بیٹھیں گے جگ جگ پائیں گے پھر نہ پائیں گے کوئی یار نہ مددگار۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور تو اللہ کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

تفسیر یہ کئی آیتیں جو نقل کی گئی ہیں ان میں سے پہلی آیت آیتِ رفوان کے نام سے موسوم ہے۔ اور اسی کی تفسیر اس وقت مقصود ہے۔ باقی آیتیں محض توضیحِ مراد کے لئے نقل کی گئی ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حدیث کا بیعت کا تذکرہ فرمایا۔ اور جو لوگ اس بیعت میں تھے ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے :-
(۱) حق تعالیٰ نے انکو مومنین فرمایا، اس کے برعکس ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو شخص اس بیعت کے شرکاء کو مومن نہ کہے اس کا کذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا۔ اور وہ بھی حرفِ تاکید یعنی لفظ کیساتھ۔ ظاہر ہے کہ خدا جس راضی ہو گیا اور اپنی رضا مندی کا اعلان بھی فرما دیا اس کا انجام یقیناً بخیر ہوگا۔ اور اب کبھی اس کے خلاف مرضی الہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے۔ اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الہی صادر ہو نہیو لا ہوتا تو وہ انکی اس بیعت پر گزر راضی نہ ہوتا، چہ جائیکہ یہ رضا مندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں اور کل اسکی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں، اس سبب یہ ہو کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہمارا مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے کل ہماری مخالفت پر مکر بستہ ہو جائیگا تو ہم اسکی بات پر ہرگز خوش نہوں چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں۔ لہذا ہم کو یہ یاد رکھنا کہ خدا اس وقت انکی بیعت سے خوش ہو گیا۔ مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انھوں نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی شروع کر دی تو خدا ان سے ناخوش ہو گیا۔ خدا کے عالم الغیب ہو نہیگا کھلا ہوا انکار ہے۔

(۳) حق تعالیٰ نے انکے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر انکی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی جو یا منکرین کے اس دوسرے کا پہلے ہی جواب دیدیا۔ کہ ہم صرف ان کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے بلکہ ہم کو انکے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لئے ہماری رضا مندی ان کے شامل حال ہوئی۔

(۴) حق تعالیٰ نے ان پر سکینہ نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جسپر سکینہ نازل ہو جاتا ہے اسکے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی۔

اور نہ اسکی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے جو ان کو حاصل ہوا۔

(۵) حق تعالیٰ نے انکو دنیا میں تین چیزیں دیے کا وعدہ فرمایا، اول فتح قریب، دوم مغام کثیر، سوم کچھ مغام جو عرب کے احاطہ قدرت کے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغام کثیر سے فتح کہ اور غیر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ کیونکہ فتح کیساتھ قریب کی لفظ اور مغام کثیر کے بعد عقل کی لفظ اسی کو بتا رہی ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونا چاہئیں۔ چنانچہ فتح خیبر تو حدیث سے لوثے ہی حاصل ہوگئی۔ ذیحجہ ۳؎ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث سے واپس آئے اور محرم ۳؎ میں خیبر فتح ہوگیا اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔ لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغام جن کو عرب کے احاطہ قدرت کے باہر فرمایا گیا ہے، اسکا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جسکو غنائم غیر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دیجائے کہ عرب کے احاطہ قدرت کے اسکو باہر کرنا جائز۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس و روم کے فتوحات مراد لئے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی کہ عرب کے احاطہ قدرت کے کیا معنی دہم و گمان سے بھی بالا تر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں حاصل ہوئی اور علامہ ۱؎ نے انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

(۶) فتح قریب اور مغام کثیر کو انا ہم کے تحت میں بیان فرما کر اس امر کو ظاہر فرمادیا کہ یہ انعام اس بیعت کا معا وعدہ ہے جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں انکا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے۔ چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیث کے لئے مخصوص کر دیا تھا کسی اور کو اس میں کوئی حصہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کیلئے مخصوص نہیں کیا، مگر اسکو اہل حدیث کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں بڑھ کر ہے۔

(۷) فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں لڑے نہ ہوگی، بلکہ جو تمہارے مقابلہ میں لڑے گا پٹھ پھر کر بھاگ جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ احاطہ حدیث کے مقابلہ میں کبھی کسی کافروں کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایران و روم جیسی زبردست سلطنتوں جب انکا مقابلہ ہوا اسوقت خدا کی قدرت سبکو نظر آگئی اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زبردست ہو گئیں۔

(۸) ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ اشارہ ہے اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صاف قین کی فتح و نصرت کے متعلق ہے۔ جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کیساتھ ہے۔ قوله تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الشَّاهِدِينَ۔ اِنَّهُمْ لَمَمَّ لَمْصُورُونَ وَ اِنْ جُنَدُ نَا لَهُمُ الْغُلَبُونَ ہ یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انھیں کو فتح ملے گی اور تحقیق ہمارا لشکر غالب ہوگا۔

(۹) بیعت حدیث کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لئے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا، جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی۔

(۱۰) فتح کہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کیلئے نشانی فرمایا، یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں۔ یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہونگی معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے۔ اور انکی علامت و نشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں۔ اس سے فاتحانہ فارس و روم

کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت واقف ہیں۔ اسلئے ان سے راضی ہوئے۔ حالانکہ مسرت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔ المختصر! آیت کے الفاظ اور اس کا مضمون اس پیشین گوئی کا ظہور بتا رہا ہے، کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی۔ اور اگر تھی تو وہ پوری ہو گئی۔ اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغام کثیرہ وغیرہ کا وعدہ ان سے پورا کیا، اسی طرح قطعاً و یقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی۔ اور سیکھنے بھی ان پر نازل ہوا۔

بعض حضرات گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے تو ان مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے، اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے، نہ منافقین سے۔ لہذا جو منافق اس بیعت میں تھے ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن کے مشاہد میں اسی آیت ضوان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:-

”اس سے یہ شبہ نہ کہ ان تمام بیعت کرنے والوں کے خدا ہمیشہ کیلئے راضی ہو گیا۔ اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اول تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں کو شہودی کا اظہار کیا نہیں، بلکہ صرف مومنین کو اور وہ بھی ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی۔ اب یہی آئندہ کی حالت، تو جیسی کرنی دہیسی بھرنی۔ تو علامہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمانداروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا“

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ دو باتیں خراب کرتے ہیں، اول یہ کہ خدا کی رضامندی ہمیشہ کیلئے نہ تھی، بلکہ وقتی تھی۔ بعد میں جب انھوں نے خلاف شرع کام کئے تو رضامندی جاتی رہی۔ دوم یہ کہ خدا نے سب بیعت کرنے والوں کو رضامندی ظاہر نہیں کی، بلکہ صرف مومنین سے۔ جو اب پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں۔ مولوی فرمان علی نے خدا کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ اچھی حضرت! خدا عالم الغیب ہے۔ جس شخص سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہوئی ہوں گی، خدا کو پہلے ہی سے اس کا علم ہے۔ لہذا خدا اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے ہرگز ہرگز خوش نہیں ہو سکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دیکر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ اہل سنت کا اعتقاد یہی ہے۔

یہی دوسری بات! اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں کو اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے، اسی طرح فتح قریب اور مغام کثیرہ کو بدلہ بھی ایمانداروں ہی کا قرار دیا۔ لہذا جس طرح خدا کی رضامندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی اسی طرح خیر کا مال غنیمت بھی ان کیلئے مخصوص ہونا چاہئے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیر میں حصہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب مومن تھے۔ اور سب کو خدا کی رضامندی حاصل ہوئی۔ اور یقیناً سب جنتی ہو گئے۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیر میں رسول نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑے بیٹھتے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکام

خداوندی کا خلاف کرنا قرار دیا جائے تو دین بازیچہ طفلان بن جائیگا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح حدیثہ میں نہ آنے والوں کو رسول نے غیبت غیر سے حصہ نہ دیا اور کوئی قلندہ نہ لڑ پا ہوا، اس طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے اور کوئی قلندہ نہ ہوتا۔

بہر حال

آیت پر طعنات دے رہی ہے کہ جن لوگوں نے حدیثہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں خدا راضی ہو گیا۔ سب پر مکینہ اترا اور سب قطعی جنتی ہیں۔ من شاء فلیس من ومن شاء فلیس کفر۔ اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضامندی کی تفسیر ہیں وہ احادیث، جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیثہ کی نسبت فرمایا کہ لئن یلج النار احد منہن بالبع تحت الشجرۃ۔ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں جو آیت میں ہے۔ جس سے خدا راضی ہے اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد۔

آیت کی تفسیر تو ہو چکی۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ حدیثہ کے مختصر حالات بیان کر دئے جائیں۔ تاکہ آیت کی تفسیر میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

واقعہ حدیثہ کے کچھ مختصر حالات

۱۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صبح اپنے اصحاب کرام کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور سب کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے سر کے بال منڈوائے ہیں اور کسی نے کتروائے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے بیان فرمایا۔ سب نہایت خوش ہوئے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی از قسم وحی آتی ہوتا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ بھی قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے۔

پھر اسی سال کے آخر میں یعنی ذی قعدہ کے مہینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارادہ عمرہ مکہ معظمہ کا سفر فرمایا۔ ایک بڑی جماعت صحابہ کرام کی آپ کے ہمراہ ہوئی، جن کا شمار بنا بر روایات صحیحہ چودہ سواور پندرہ سو کے درمیان میں تھا۔ بعض روایات میں اٹھارہ سو بھی وارد ہوا ہے۔

مقام دوح الخلیفہ میں پہنچ کر سب نے اعرام باندھا۔ اور اعرام کا لباس زیب تن کیا۔ قدوسیوں کی یہ جماعت مقام حدیثہ تک پہنچی تھی کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا، کہ کفار مکہ کو سمجھائیں، کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے۔ کعبہ کا طواف کر کے واپس جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جا کر بہت سمجھایا۔ مگر فدا و شرارت کا برا ہو، کفار مکہ نے کسی طرح اسکو منظور نہ کیا۔

حضرت عثمان کی روانگی کے بعد کسی صحابی نے کہا کہ عثمان کی قسمت اچھی ہے۔ وہ تو مکہ جا رہے ہیں۔ کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کہ کفار اجازت دیں یا نہ دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱۰ اشعر البیور خبیر اهل الاساض۔ یعنی آج تم تمام غنیمتیں دین کے لوگوں کے بہتر ہو۔ نیز فرمایا کہ ۱۰

جو اس بات کو سنا تو فرمایا کہ عثمان کی طرف ہم کو ایسا وہم بھی نہیں ہے کہ وہ بغیر ہمارے کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ اللہ اکبر! حضرت عثمان کے اخلاص پر کیا اعتماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ اور دیکھا ہی ان سے ظہور میں آیا۔ جب حضرت عثمان کہ میں ابوسفیان سردار مکہ سے بات کر رہے تھے تو ابوسفیان نے کہا کہ اے عثمان اگر تم جاؤ تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کعبہ کا طواف کر لو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ تمہارے نبی طواف کے لئے آئیں اور اپنی شان و شوکت ہم کو دکھائیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم ہرگز طواف نہ کریں گے۔ اس جواب ابوسفیان نے حضرت عثمان کو اور دس صحابی جو ان کے ساتھ تھے، ان سب کو قید کر دیا۔ یہ واقعہ سبط کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ حلقہ حسدی میں جو مذہب شیعہ کی نہایت معتبر تاریخ اور مولوی سید محمد مجتہد اعظم کی مصدقہ ہے، یہ واقعہ اسی طرح نظم کیا گیا ہے۔

بوسید عثمانؓ میں در زمان	بمقتب رواں شد چو تیراز کماں
چو اورفت اصحاب روزے دگر	بگفتند چندے تحیر لبشر
خوشحال عثمان با احترام	کہ شد قمتش حج بیت المحرام
رسول خدا چوں شنید این سخن !	پاسخ چسپین گفت یا انجمن !
بہ عثمان نہ ادریم ما این گمان	کہ تنہا کند طواف آن آستان

اس کے بعد پھر آگے چل کر ابوسفیان اور حضرت عثمان کی گفتگو اس طرح نظم کی ہے۔

بجو شنیدش انگہ بدل مہر فوں !	بہ عثمان چسپین گفت آن سرنگوں
کہ گر میل داری تو طواف حرم	بکن مانعت نیست کس زین حشم
ولیکن محال است این بے گزاف	کہ آید محمدؐ برائے طواف
چو شنید عثمانؓ از و این سخن	چسپین داد پاسخ یہ آں اہرمن
کہ طواف حرم بے رسول خدا	نہا شد بر پیر دانش روا !
ازیں گفتہ سفیان بر آشفست پیش	بگرداند از سوائے او روئے خویش
بفرمود پس با دگر مشرکان !	کہ عثمان و آں دہ کس از پیرواں
نیا بند رفتن بنزد رسولؐ کو	اگر شاد مانند ازیں گر طول
چو عثمانؓ از و این حکایت شنید	علا جہ بجز صبر کردن نہ دید !
مقید نمودندش اعدائے دین	بیان نجاتش کنم بعد ازین

حضرت عثمان کے قید ہو جانے کے بعد کسی نے یہ غلط خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی، کہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے شہید کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ اللہ کریم کے نیچے جو اس میدان میں تھا تشریف لے گئے۔ اور اپنے اصحاب کے آپ کی موت کی بیعت لی۔

اثنا بیعت میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی زندہ ہیں۔ تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیکر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت فرمائی۔ اسی بیعت کا تذکرہ آیت رفوان میں ہے۔ اور اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت الرفوان کہتے ہیں۔

یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمانؓ ہی کے طفیل میں ہوئی۔ اور سب زیادہ فضیلت بھی بیعت میں انہیں کی ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ کسی طرح کا فروں کے کچھ لوگوں کو تم بھی گرفتار کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب چند کفار مسلمانوں کی قید میں آگئے تو کا فروں نے مجبور ہو کر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا۔ اور ان کے عوض میں اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔

اس سفر میں ایک معجزہ پانی کا ظہور میں آیا۔ مدینہ میں جو کنواں تھا، اس میں پانی بہت کم تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب پانی خیر ہو گیا۔ اور ہر طرف سے لعش کی آواز بلند ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر ایک صحابی کو دیا کہ اس تیر کی نوک کنوئیں کی تہ میں پہنچا دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جیسے ہی اس تیر کی نوک تہ میں گڑھی، کنوئیں سے فوادہ پانی کا ابلنے لگا۔ اور پھر وہ پانی آخر تک کام دیتا رہا۔

اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حالت جانچنے کے لئے آئے، انھوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی، اس کا بڑا اثر ان کے دل پر پڑا۔ جو اطاعت و جان نثاری صحابہ کرام کی اور جو محبت و ارادت انھی عروہ کے مشاہدہ میں آئی اس سے انکی عقل متحیر ہو گئی۔ کیونکہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان چیزوں کی نہیں مل سکتی۔ حمید ری کا معنف باوجود متعصب ہونیکے کھٹکتا ہے۔

پس آں گاہ در مجلس شاہ دین !

نشت اوز مائے دگر در کمین

کہ اصحاب او را کند امتحان !

بظاہر گرہ کرد ابرو ز خشم !

چو اکرام و تعظیم و فرماں بری

ز اصحاب نسبت بہ سالار دین !

از ان طور آمد شگفتش بے غم !

نشت اوز مائے دگر در کمین

کہ اصحاب او را کند امتحان !

بظاہر گرہ کرد ابرو ز خشم !

چو اکرام و تعظیم و فرماں بری

ز اصحاب نسبت بہ سالار دین !

از ان طور آمد شگفتش بے غم !

اب یہ دیکھنا ہو کہ پھر کہ پہنچا کہ اپنی قوم میں عروہؓ کو خیال اپنے ظاہر کئے وہ کیا ہیں۔ عروہؓ نے کہا :-

حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنا ذکر تبتلیہ میں بھی ہے۔ کافی کتاب الروضہ ص ۱۵ میں ہے۔ وایح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمین و خیر باحدی ید ید علی الاخری بختان۔ اور حیات القلوب جلد دوم ص ۱۰۰ میں ہے۔ بروایت شیخ طبری چون مشرکان عثمان را جس کردند خبر بحضرت رسید کہ او را گفتند حضرت فرمود کہ از اینجا و گت نمی گتم تا بایشان قتال کنم و مرد با بسوئی بیعت دعوت نمایم۔ و بر خاست و پشت مبارک بدرخت داد و تکیہ کرد و صحابہ با حضرت بیعت کردند کہ با مشرکان جہاد کنند و

نگریند و بروایت کلینی حضرت یکدمت خود را بردست دیگرے زد و برائے عثمان بیعت گرفت ۱۲

کہ من آنچہ دیدم زیاران او
در ایران و در روم و در زنگبار کو
کہ دارند پاسِ شہِ خود چنین
محمّد گر اندازد آبِ دہن
کہ گیرند و مانند بر چشم در دہ
دگر ہر کراہی از ہمتِ ران
بر آب و خدمتِش نزاع کنند
غرض اے دلیران بانام و ننگ
کہ ایشان ز ما بر نتابند رو
ہماں بہ کہ ایں قصہ کوتہ کنید
از ایں پیش کورہ کند رہ دہید

آخر کفار مکہ نے مجبور ہو کر صلح کی اور یہ قرار پایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس جائیں۔ اور آئندہ سال پھر اگر کعبہ شریف کا طواف کریں۔

اس صلح میں جو شرطیں کفار کی طرف سے پیش ہوئیں، ان میں بظاہر مسلمانوں کا پیلو نہایت مغلوب تھا۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں۔ اور اگر کوئی مسلمان خدا نخواستہ مرتد ہو کر مکہ میں آجائے تو کفار مکہ اس کو واپس نہ کریں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو قبول فرمایا۔ اور صلح ہو گئی۔

اس مغلوبانہ صلح سے تمام صحابہ کرام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جو اول روزے دینی غیرت و حمیت میں ضرب المثل تھے) ہوا۔ اور ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے کہا۔ حضرت! کیا آپ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ پھر انہوں نے کہا، کیا ہم حق پر ہیں، اور ہمارا دشمن طہل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا، کہ پھر ہم کیوں مغلوبانہ صلح کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کے حکم خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اور وہی میرا مددگار ہے۔ پھر یہی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کی، اور انہوں نے بھی یہی جوابات دیئے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو محض دین کی حمیت سے تھی، مگر پھر بھی ان کو بعد میں تنبیہ ہوا، اور اس کے کفارہ میں نمازیں پڑھیں روزے رکھے، صدقہ دیا اور غلام آزاد کیا۔

مجاہدین صحابہ کرام نے اس موقع پر ایک طعن حضرت عمر پر تصنیف کیا ہے۔ کہتے ہیں، کہ حضرت عمر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا، اور اس کی تائید میں ایک روایت میران الاعتدال کی پیش کرتے ہیں۔ کہ خود حضرت عمر نے اقرار کیا کہ مجھے نبوت میں ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے کہ آول تو میران الاعتدال کی یہ روایت صحیح نہیں۔ خود مصنف نے اس روایت کے ساتھ اس کا مجرد ہونا بھی بیان کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں نبوت کا لفظ نہیں ہے یہ مخالفین صحابہ کرام کا خالص افتراء ہے۔ صرف یہ مضمون ہے کہ مجھے ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔ اس شک سے مراد نبوت میں شک کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسی روایت میں حضرت عمر نے بجواب حضرت صدیق فرمایا ہے کہ: انا اشہد انک سراسول اللہ۔ بلکہ اس صلح کے مقید ہونے میں اس کے مصالح میں شک مراد ہے، گویا اپنی ایک سیاسی غلطی کا اظہار فرمایا ہے۔ (دیکھو فتح الباری جلد پنجم صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ مصر) واقعی صلح حدیبیہ میں کچھ ایسی مصالح علم خداوندی میں تھیں کہ اس وقت کسی کو بھی ان کا احساس نہ ہوا۔ مگر بعد میں سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ یہ مغلوبانہ صلح نہ تھی، بلکہ فتح مبین کا پیش خیمہ تھی۔

صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ ابو جندل جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ مگر کسی طرح ان کو ہجرت کا موقع نہ ملتا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید رکھا تھا۔ اور بڑے ظلم ان پر کرتے تھے۔ اور یہ سب مظالم ان کے باپ سمیل کے ہاتھ سے ان پر ہوتے تھے۔ ایک روز موقع پا کر قید سے نکل آئے اور حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ کفار نے مطالبہ کیا تو آپ نے ان کو ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ اے ابو جندل! خدا تم کو ان کے شر سے بچاتے گا۔ تم پریشان مت ہو۔ اس کے بعد پھر ابو بصیر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بوجہ معاہدہ کے واپس کیا۔ اثنائے راہ میں انہوں نے اس کا فرک جو ان کے لینے کے لئے آیا تھا، قتل کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ آئے۔ آپ نے پھر ان کو واپس کیا۔ ابو بصیر مدینہ منورہ سے تو چل دئے، لیکن مکہ نہ گئے بلکہ ساحل دریا کی طرف عیص نامی ایک مقام میں قیام کر دیا۔ اور مکہ معظمہ میں جو لوگ ابو جندل کی طرح مسلمان ہو گئے ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ ستر آدمیوں کی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی۔ یہ مقام تجارتی قافلوں کا گذر گاہ تھا۔ اب ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا کہ کفار قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا، اس کو لوٹ لیتے۔ کئی قافلے اسی طرح تباہ و برباد ہوئے، لوگ بھی

قتل کیے گئے۔ اور مال بھی لٹا۔ آخر میں مجبور ہو کر خود کفار قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ شرط صلح نامہ سے نکال دی جائے۔ اور آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیر کے نام خط بھیجا کہ تم لوگ مع اپنی جماعت کے میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن یہ خط ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابوبصیر حالت نزع میں تھے۔ نامہ مبارک کا مضمون انہوں نے سنا اور آنکھوں سے لگایا اور دنیا سے رخصت ہو گئے مسلمانوں نے وہیں ان کی تجھیز و تکفین کی، اور اس کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ چلے گئے۔

یہ درخت جس کے پیچھے بیعت الرضوان ہوئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک

موجود تھا، لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ یہ خبر حضرت

فاروق عظیم کو ملی تو آپ نے حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ (فتح الباری

مطبوعہ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۵۸)۔ حدیث کا واقعہ یا اختصار بیان ہو چکا اور

آیت رضوان کی تفسیر بھی ہو چکی۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے

اور ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین و آخر

دَعَوْنَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی لَنبٰی

الَامِیْنِ وَ عَلَیْہِ

وَصَحْبِہِ

اَجْمَعِیْنَ

BHE 09